

شروع گراما کی ایک جس بھری دوپہر میں تبسم نے
 امر کی جاں فزا آواز اپنے کانوں سے دلیر پڑی تھی۔
 اس کے آس پاس جیسے ٹھنڈی ہوا چل پڑی۔ لیوں پہ
 ایسا جاندار تبسم ابھرا کہ چوکٹ سے نکلتی اس کی بھادرج ٹھٹک
 کر رہی اور دروازے تک جاتے، جاتے شہر سے منگوائی گئی
 خاص اپنے نام کے ڈیزائن والی چوڑیوں کی ساری خوشی
 نیست دتا بود ہوگی۔ جیسے لانے والے نے اس کے ہاتھوں
 میں دینے کے بجائے زمین پر دے ماری ہوں اور ٹوٹے

عورت تہمت تہمت

ایک عام تاثر یہی ہے کہ عورت ایک کمزور اور کم تر ہستی ہے۔۔۔ مگر یہی
 کمزور اور کم تر ہستی صنف مخالف پر کس، کس طرح اثر انداز ہوتی اور وقت پڑنے
 پر چٹان جیسی مضبوطی بھی دکھاتی ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے شروع ہونے
 والے اس نئے سلسلے عورت کہانی میں ہماری معروف قلم کار فرحین اظفر نے
 یہی بتانے کی کوشش کی ہے۔

جدگانہ موضوعات لیے کہانیوں کا نیا سلسلہ آپ جیسے باذوق متاثرین کی نذر



عورت کیانی

پھر اب اس معنوی سگارا کا اہتمام چرمتی.....
بھائی فردوس کی باتیں پھر سے یادداشت کی پوٹی
سے ایک ایک کر باہر آنے لگیں۔
وہ نکلتی کی ان دیکھی ڈور سے بندھی بے ارادہ بھائی
فردوس تک آ کر رک گئی۔ وہ آٹھنے کے سامنے بیٹھی، لائنجی
زلفوں میں بل دے رہی تھی۔ وہ نکلتی ہی دیر نظر جمائے اسے
دیکھتی رہی۔

اس کا بھائی، فردوس کا خاوند دل و جان سے اس کی

قارئین متوجہ ہوں

نہیں ملتا
میچا

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں
کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پُرچائیں ملتا۔
ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش
ہے کہ پُرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون
کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

☆ ایک اسٹال کا نام جہاں پر چاند ستیا نہ ہو۔

☆ شہر اور علاقے کا نام۔

☆ ممکن ہو تو بک اسٹال کا PTCL یا موبائل نمبر۔

رابطہ اور پتہ ضرور بتاتے ہیں

شمار عباس 0301-2454188

جاسوس ڈائجسٹ پبلیشنگ

سپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگزشت

63-C II سنڈیکیشن ڈسٹریبیوٹن کمپنی پرائیویٹ لمیٹڈ

مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں

35802552-35386783-35804200

ای میل: jdp@group@hotmail.com

ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء

کا غلبت میں دیا گیا بیکٹ اٹھا کر دھپ، دھپ کرتی
سیڑھیاں اتر گئی۔

ہاتھ بیروں کی لرزش نے اسے شدید گرمی میں بھی
جادو میں مگھنے پہ مجبور کر دیا۔ کانوں کے پیچھے سے جو تپش
نکل رہی تھی وہ اس کے علاوہ تھی۔

اسے تو اس کے لائے ہوئے تھے کو نظر بھر کے دیکھنے
تک سے حیا آگئی تھی۔

☆☆☆

سیاہ رنگ کے چموتے سے ڈبے میں سب کچھ تھا۔
آنکھوں کو درد حاد کی تلواریں بناتے والا کامل، رخساروں کی
لالی، لبوں کا گلاب اور ایرانی قائلین کے جیسی دبیز تہ کی طرح
نرم ملائم برش..... جسے چہرے پر پھیرتے ہی ایک پھریری
کی رنگ و بے میں دوڑ جاتی تھی۔

مگر..... وہ اتنا پیارا تھا۔ پاکیزہ ہونے کے بجائے
گھنے دن کی ایک کسلی کا نڈال کر بیٹھ گئی۔ جب بھائی نے
ہر کی لارچ کی چوڑیاں لاڈ سے دیکھتے ہوئے اصرار کے دروازے
سے نئی لوٹ جانے کی اپنی طرف سے بڑی شوکت، بھائی
توجہ پھینک کر دیکھی۔

”سنائے چاہے کی لڑکیاں جہاں وہ رکھا ہوا ہے، بڑی
فیضی اور ماڈرن ہیں.....“

اس کا ڈوٹی ٹھکانا ہاتھ یک دم جم گیا تھا۔

”مجھے مہرین خالد نے بتایا تھا ایک دن..... بڑی لکھی
بھی ہیں..... اور ایسی لڑکیاں کس کو اچھی نہیں لگتیں۔“

اسے اولمپ کی بھول بھلیوں میں چھوڑ کر وہ خود تو
کمرے میں چلی گئی تھی۔ پر اس وقت سے رات تک تبسم
ایک خلا میں معلق رہی تھی۔ رات میں اس کے ہیر جب ہی
دھرتی کو چھو پائے تھے جب اصرار نے اس سے کابل نہ
لگنے والی بات کی تھی۔

وہ اب بھی اسے اتنے ہی غور سے دیکھتا تھا۔ تبھی تو
اس نے تبسم کی سوئی آنکھیں دیکھ لی تھیں۔ وہ کہتا تھا تبسم اس
کے دل کی مکین ہے، ملکہ ہے..... اسے دیکھنے کے لیے اسے
روشنی کی نہیں اپنے من کی آنکھوں کی ضرورت ہوتی ہے۔
جن کے آئینے میں اس کا کس اسے سفید مرمر پر کدے سیاہ
فلکوں کی طرح شفاف نظر آتا ہے۔

اس کا انداز بڑا دل جلاتا تھا۔ تبسم کے پیٹ میں زور کی
ہنسی کا گھولا تھا۔ اس نے پوری جان لگا کے کاہن کیا۔

”اچھا سن..... اگلے مہینے پکی ہو جائے گی
نو کری..... بول..... اماں کو بھیج دوں!“

اس کے لہجے میں دونوں کے پیارے کی تڑپ تھی اور
سوال میں اندیشوں کے ناگ پھنکار رہے تھے۔

”ابھی نہیں۔“

ناگ نے اسے ڈنک مارا۔

”مجھے پتا تھا تو منع ہی کرے گی.....“ اس نے ضدی

بچے کی طرح پیر کو دھپ سے زمین پر مارا۔

”بات تو سن..... اسی مہینے کی بات ہے ناں۔ پکی ہو

لینے دے۔ ورنہ تو میری بھائی کو بھی جانتا ہے اور اپنی اماں کو

بھی۔ مکی نو کری کا بول کے بھائی نے انکار کر دیا ناں ایک

بار تو، تیری اماں دو جی واری نہیں آنے والی۔“

اس نے تریاق پلا نا شروع کیا۔ ڈسے ہوئے کے زخم

میں تھوڑا آرام آیا۔

”تب تک میں کیا کروں۔“ اس کے انداز کی۔

پلے تانی بڑی بے باک تھی۔ اس نے تبسم کو کوشنوں سے جکڑ کر

مجھجوڑ ڈالا۔

وہ سن ہی ہو کر رہ گئی۔ وہ اس کو اتنے قریب کہ بٹھا تھا

کہ اس کے چہرے اور اصرار کے سینے کے بیچ ذرا سا ہی فاصلہ

باقی تھا۔ اس کا وجود ایک بے خود کر دینے والی خوشبو سے

مہک رہا تھا۔

قریب تھا کہ وہ اس خوشبو کے سمندر میں ڈوب ہی

جاتی۔ اس کے من میں دھڑکتا سر دھکی اسے ایسی قربت بخشنے

ہی والا تھا کہ دو انگڑوں جیسی آنکھیں جھپکن۔

تبسم کے منہ سے چیخ نکلتے، نکلتے رہ گئی۔ اور منڈیر

سے جھماکتی سیاہ بلی سایوں میں جان پڑتی دیکھ کے دوسری

طرف کود گئی۔

”چل ہٹ..... ہاگل ہو گیا کیا۔“ اس نے رخساروں

کے قد حادری سا پیر سیاہ چادر کی ہلکے اوڑھ لی۔

اب اس سے نظریں ملائے کا یار نہیں تھا۔ اور وہ تھا

کہ اس کے دیکھتے عارضوں کی رنگت کو دل میں جذب کر

کے لہور تک بنانا چاہتا تھا پر اس کے لاکھ روکنے پر بھی وہ اس

بکھرے کا بچہ پر اس کا پیر پڑ گیا ہو۔

”بھائی آپ کی چوڑیاں.....“ اصرار نے اسے دیکھ کر

جلدی سے وہیں بکھرا لیں اور اداسی کے پرتو لے۔

”کیا بات ہے بڑی جلدی میں ہوا نہ نہیں آؤ گے۔“

وہ چوکھٹ میں پھیل کر کھڑی اس کا راستہ روکے

تھی۔ جانتی تھی اندر آنے کے لیے تو وہ یہاں باہر اور اس

کی ہوتی سوئی وہاں اندر پوری جان سے بے قرار ہیں۔ پر

یہی بے تابی ہی تو تھی جو اسے ایسے لکا چھپی یہ آکسانی تھی۔

”آں..... نہیں..... پھر کبھی۔“

اس نے بھادج کو سر تاپا دیکھا۔ جسے اپنے اور اس

کے رشتے کی نزاکت اور تھنوں کا یا تو احساس نہیں تھا یا پھر

بھر پور طریقے سے تھا۔

چہرے پر بڑی چٹنگ قسم کی سکرابٹ لیے وہ اسے

ہی مگھور رہی تھی۔

”خیر تمہاری مرضی..... خالد کو میرا سلام کہہ

دینا۔“ دروازہ دھڑ سے مار کر واپس پلٹتے اس کے حلق سے

قلقلاری کی نکل گئی اور ہونٹوں سے ٹنگنا ہٹ.....

”تھاڑے رو ہوا ہونگے یا روے.....“

تبسم نے انہیں اکیلے آتے دیکھا تو مسکراتے لبوں

پہنچا لیاں ہی جم گئیں۔

☆☆☆

پورن ناشی کو گزرے کتنی راتیں اتر گئی تھیں۔ اب

بلوریں ٹھیکرے کی طرح خم کھائے چاند کی روشنی بس اتنی تھی

کہ او نچا لہو وجود ایک سائے جیسا دکھتا تھا۔

”تو نے کابل تک نہیں لگایا۔“ اس نے اس

اندھیری روشنی میں بھی مٹا لیا۔

چھت کی منڈیر سے ٹیک لگائے سایوں کے حلق

سے نکلتی آواز سرگوشیوں کو شرمائی تھی۔

”کیا کرتی..... دن کی روشنی میں تو تم نے اندر آنا

بھی گوارا نہیں کیا۔“

نہ چاہتے ہوئے بھی ٹھوکرے کی گہرائیوں سے نکلا تھا۔

”کیا کرتا آکر..... تیری وہ پھل پیری بھائی

فردوس.....“ اس نے چپا، چپا کر نام لیا۔ ”کسی چوکیدار کی طرح

ٹیٹھی رہتی۔ نہ تجھے پائی اور بات کرنا تو دور کی بات.....“

ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء

برسوں سے میرے خاندان میں جو چھپا تھا وہ شخص اچانک سر راہ مل گیا آنکھوں نے دل سے، دل نے آنکھوں سے بکھو گیا، جا کر اسے منالے ورنہ وہ پھر گیا لیکن یوں جم گئے تھے میرے پاؤں زمین سے میرا وجود جیسے مٹی سے سل گیا اک سمت مڑ گیا وہ مجھے دیکھتا ہوا اک انہنی اک غیر پہ کیوں میرا دل گیا وہ انہنی نا آشنا کب میرا اپنا تھا بس یونہی ایک شخص سیرا مل گیا

کلام: حامی، اسلام آباد

طرح دیوار کے ساتھ، ساتھ چلتی دور ہوتی چلی گئی۔

☆☆☆ اس دن کی رات بڑی ہی تاریک تھی۔ پولیس موپائل بظاہر تو بہت احتیاط اور حفاظت سے اسے اس کے دروازے پر پہنچوئے آئی تھی پر حفاظت اور چیز ہوتی ہے صاحب، رازداری اور چیز.....

فردوس نے اپنے راز کی حفاظت کی تھی۔ اس سے کوئی وعدہ نہیں لیا تھا۔ وہ ازخود بری الذمہ تھی۔ عین حجاب کے وقت سلیم کی دکان پہ اس کی موجودگی نے انگ مگوائی دے دی تھی کہ اس کے ہاتھوں پر جسم کی حاد پر لگنے والے ڈراما کا ایک چھینٹا تک موجود نہیں۔ رہ تھی بات رازداری کی تو وہ کس بھی کام سے۔ پولیس کی گاڑی سے اترتی جسم کو دیکھ کر محلے کے گھروں سے جھانکتے بیسیوں سروں کے پچھلوں کو بھی یاد دہا.....

فردوس نے تو بھی کسی کوکان دکان خبر نہ دی تھی کہ وہ اس راستے کی باسی راہی ہے۔ پر جب کسی اور کو راستہ دکھایا تو دکھاتے ساتھ ہی انھیں پھوڑ ڈالیں، عقل کو خود جسم کی محبت کے ذرا سے شے نے لات باردی اور اب جبکہ وہ گلوگوں کی طرح سلیم سے لاتیں کے اور گھونے کھا کے ایک کونے میں پڑی تھی تو عقل اس کے پہلو سے گئی اور گھر ہی تھی اور محبت تجھ دار پر چڑھی سولی کی راہ تک رہی تھی۔

امک، امک، پیپ زدہ پھوڑا تھا۔ روم، روم ہے ماحنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء 203

معصوم ہند کے کردار میں اتارنے، اسے وہاں چھوڑ کر پیچھے سے اس کے بھائی کو بلانے گئی تھی۔ فردوس صرف نام کی فردوس تھی اور اس نے جسم کو بھی بس نام کی مدد تک جسم کر کے اس کی زندگی کو جہنم بنانے کی قسم اٹھائی تھی۔

آج اور ابھی سے نہیں۔ اسی دن سے جب سلیم نے پہلی بار فردوس کو یا مجھ سمجھ کے جسم کی بھائی ہوئی باسی ردلی کا پہلا لقمہ میں ڈالا تھا۔

تجسم ہناس کی واردات کے فردوس کے کنبہ سے میں بھائی کے ساتھ ہی مجرم قرار پائی تھی اور سزا کی حقدار بھی۔ اس کے سینے میں جلتے پھرتے مجھ پر اس روز اور بھی دہک گئے تھے جب اسے احمد اور جسم کے درمیان کسی گرامری کا ادراک ہوا تھا۔

بچی کو لیوں کے کلاڑی کی طرح اس نے مگر، مگر جا کر ان کے معاشے نہیں گائے تھے۔ اس میں خود اس کی بھی بدنامی تھی۔ وہ تو خندا کر کے پورے طریقے سلیقے سے کھانے کی عادی تھی۔ چھری اور کانٹے کے ساتھ۔ اجار، چٹنی رائے سلاو سے مزین کھانا..... جو چند منٹ کی دوری پر اس کے معدے میں اترنے کو بے تاب تھا۔

اس کی قسمت کا موقع چل کے خود اس تک آیا لیکن..... "استاد تو کان پینٹیں۔" آج کے دن کی سب سے منہوں خبر کے سائے اس کے منہ پر بھی محسوس کھیر گئے۔

"منہوں....." اس نے جانے قسمت کو گالی دی تھی کہ اپنے خاوند کو گھر دل سے نکلی بددعا کی طرح اس میں بھی اقدام تھا کہ گلی کا آخری موڑ مڑے جہاں اسے اپنی ساری کوشش پہ پانی پھر تادیکہ کمرست سی آ رہی تھی۔ ایک منظر نے گویا جان ڈال دی۔ بچی بھری۔ اس کے ہر کی ملائم ایڑی سے لڑکھو پڑی کی کمال تک ایسا کرنت دوڑا کہ روکتے کمرے ہو گئے۔

وہ پھرتی سے ایک کونے میں ڈبک گئی۔ سامنے کا منظر واضح مگر ہوش اڑا دینے والا تھا۔ اسے ہلکی ہلکی میں ایک گدگد دینے والا احساس ہوا۔ وہ تو شاید ڈوٹے کی مارنا چاہتی تھی مگر یہاں ایک لوہا رولی ہوئی۔

بارر کے سامنے، علاقہ پولیس کی گاڑی اور کسی خبری چھپل کی دین کھڑی تھی۔

اس نے فافٹ چادر کی نکل ماری اور چھوٹو رکی

ماری ہوئی خود پہ ہر چڑھتے سورج کے ساتھ ترس کھانے والی بن چکی تھی۔

ایسے ہی گرما کے ایک گرم ترین دن میں سلیم نے.....

بے اولادی کا ذمے دار صرف اپنی بیوی کو ٹھہرا کر اس کی نسوانی کاملیت پہ بڑا زور کا طمانچہ رسید کیا تھا۔ کچھ دن گئے جب یہ حقیقت نکلی کہ فردوس تو صحت مند ہے۔ بلکہ بھرپور بھی..... تب سے اب تک اس نے صرف سلیم کو نچا دکھانے کی خاطر خدا کی رحمت پر اپنی کوکھ کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ یہ پارلر بھی اصل کام کے بجائے ایسے ہی گھناؤنے دھندل میں ملبوث تھا۔ جس کے بارے میں شہری آبادی سے بڑے اس چھوٹے قصبے کے تھوڑے سے مرد اور اس سے بھی تھوڑی عورتیں جانتی تھیں کہ حسن کی نگہداشت کے ٹوکوں، میک اپ کریوں، فیشنل مساج کے ساتھ، ساتھ یہاں اور بھی بہت سی مطلب کی چیزیں مل جایا کرتی تھیں۔

فردوس بھی ایسی ہی قدرت کے کاموں کو من مرضی کی سمت موڑنے اور پھر نقصان اٹھانے والی مستقل کامیوں میں شامل تھی۔

"تم یہاں بیٹھو، میں ذرا بازار سے کچھ ضروری سامان لے کر آتی ہوں۔ گھبراہٹ میں یہاں سب لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ کبھی جان پہچان کی ہیں۔"

تجسم تذبذب میں تھی اور فردوس جلدی میں..... اسے کچھ کہنے کا موقع نہ ملا۔ اپنے تئیں اسے تسلی دے کر وہ سلیم کو بلانے نکلی تھی۔

کنواری لڑکی کا ایسی جگہ پہ کیا کام۔ جس کا نام مشہور اور ارادے مشکوک تھے۔

سرسے ہر تک سیاہ برقع میں ملفوف جسم کے سان و گمان میں بھی آنے والی سامتوں کا گزرتا تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ وہ تو اپنے محبوب کی خاطر اجماع کیے کی معصوم سی خواہش لے کر بھادرج کے ساتھ اس دلیز تک چلی آئی تھی۔

چار دیواری میں بند رہنے والی بچی مہلتیں کیا جانیں کہ چار دیواری کے پار کی دنیا کیسی رنگ برنگی ہے۔

ان دیواروں کے پار کیسی رنگ برنگی ہے جس میں جو باغوں میں نکلتے ہیں اور گڑھے میں جو باتال میں جا جاتے ہیں۔ گلاب بھی ہیں اور گند کی بھی..... گندینے بھی ہیں اور کمری بھی.....

صرف فردوس یہ جانتی تھی کہ وہ اپنی ذلت کا بھول اپنی

ہر، ہر ادھر پر مٹنے کو تیار رہتا۔ فردوس کے پاس غاہری حسن کا خزانہ تھا جسکی قارون جیسا۔ سلیم جیسا شوہر اس کے قابل نہیں تھا اگر صرف صورت کے مقابل کیا جاتا۔ فردوس بھی کسی شہزادے کے لائق ہی تھی۔ سلیم کو بھی اس بات کا بخوبی احساس تھا، جیسی تو اس کے نکلوں کے نیچے تھیلیاں بچھانے کو کھڑا رہتا تھا۔ اس کے تو دن رات فردوس کے بتانے سے ہی ڈھلتے چڑھتے تھے۔ تو فردوس کو کیا آگ لگی تھی جو اپنے حسن کو دو اتھ کر کے مرے ہوئے پر روزورے لگاتی۔

اس کا شوہر تو اس کی مٹھی میں بند بیٹھے جیسا تھا۔ جس کی حالت یوں تھی گویا کسی بھی لمحے اس کے پر نوج لے گی۔ پھر کیوں..... کیوں لگتی تھی غاڑہ..... پہلے سے گلابی ہونٹوں پگھلاں مل، مل کے ان کو رسد سار بنا رہی تھی۔ اور سلیم کے سامنے جب بادام سی لہی آنکھوں کو اٹھا کے چھکانی تو نیچے لب کا ایک کونا موتی جیسے دانت میں دبالتی۔ اور سلیم اس کی اس ادھر، ہر، ہر جاتا۔

جب فردوس نے اپنے اتنے مرے دھرے شوہر کی لگا میں کہنے کے لیے کوئی کسر نہیں اٹھا رہی تھی تو پھر وہ خود تو عام سی شکل صورت کی تھی اور پھر اس کا اور احمر کا رشتہ بھی بہت کچا، صرف زبانی وعدوں کی اینٹوں سے بنا، ہٹا کسی منگنی، نکاح کے گارے کے یونہی منہ بولا سا تھا۔

چند لمحوں بعد ہی وہ فردوس کے سامنے تھی۔ "بھائی مجھے بھی..... مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلنا کسی دن....." لفظ اس کے گلے سے ایسے گرتے پڑتے لکھے جیسے کسی نے اندر سے دھکا دے کے نکالا ہو۔

فردوس نے اس کی اوروری بات میں کسی خواہش کے ادھر سے پن کو بڑی فرمت سے جانچا۔

"کہاں؟"

☆☆☆ وہ محلے سے دور کوئی پار تھا جہاں فردوس تحریقوں کے اور ہیڈ برج تعمیر کر کے ان پر قدم، قدم چلاتی اسے لے کر آئی تھی۔

فردوس ایک سبیل کھائی جہاں دیدہ عورت تھی۔ جسم کی اپنی ذات پہ توجہ دینے کی آرزو جو رات و رات بانس کی طرح اس کے دل کی زمین سے نکل کر زبان تک آئی تھی تو بے سبب نہیں ہو سکتی تھی۔ اندر سے وہ بڑی احساس کمتری کی

ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء 202

السلام علیکم

FAMOUS URDU NOVELS, BOOKS BANK (ویب سائٹ) ہمیں اپنے بلاگز

PRIME URDU NOVELS, FREE URDU DIGEST, READING CORNER

کے لئے ناول رائٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری پوسٹ کروانا چاہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل کریں یا ہمارے گروپ اور جج پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ یا واٹس ایپ پر بھی کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- **FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST**

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

بدکارہ کا چہرہ نہ تھا۔ مگر یہ چہرہ پہچان میں بھی تو نہیں آ رہا تھا۔ گئے دن کی داستان اس کے جسم پہ پڑے ایک، ایک زخم سے پھوٹ رہی تھی۔ اب اسے یقین نہ آتا تو جسم کا کیا قصور.....

اس نے کسی قیمتی خزانے کی طرح، اس محفوظ الحواس عورت کو خود میں سولیا۔ چند لمحوں پہلے جب فردوس، مہرن خالہ کو پکارتی کرتی پڑی، تبسم کا داغ چل جانے کی خبر لائی تھی تو، وہی تھا جو اب اس سے اس کی وکالت میں الجھا بیٹھا تھا..... اور وہی تھا جس نے بھابی کو سامنے سے ہٹا کر سب سے پہلے دوڑ لگائی تھی۔ وہی تھا جس نے سارے قہقہے کو تھانے جا کر سننے سرے سے کھنگلا تھا۔ وہی تھا جو اس پہ گئی تہمت پر بند آنکھوں سے یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ وہی تھا، وہی تھا، وہی تھا.....

تبسم..... اس کی محبت بعد میں تھی۔ اس کے کردار کا فخر، اس کا مان پہلے تھی۔ اسی نے اسے خاموش محبت کی پاکیزگی کا محض سب سے پہلے سنایا تھا۔ اسی نے اسے محبت کے جہلی تھانوں کی حد سے روشناس کرایا تھا۔ وہی تھی جو کہتی تھی محبت جسوں کا کھیل نہیں روح کا ورت ہے۔ وہی تھی جو اندھیری راتوں میں ملنے آتی تو سر سے پیرنیک خود کو ڈھانپ کے گز بھر کا فاصلہ رکھتی تھی۔ وہی تھی، وہی تھی.....

اور اب..... اب وہی تبسم اس کے سینے سے لگی اس کی ہانپوں میں پڑی کسی ٹرڈے کی طرح بے جان تھی، یہ کیسی بے بسی تھی۔ وہ اتنی لاچار کیسے ہو گئی کہ آج اسے دور ہٹنے کا خیال تک نہ آیا۔ آج اسے کسی بے شری کا احساس تک نہ تھا۔ وہ زمان و مکان، زندگی اور زندگی جینے کے سامان جیسے کسی بھی تکلف سے آزاد ہو چکی تھی۔

اس روز اسے بازوؤں میں بھر کر اسپتال کی طرف بھاگتے احمر کے انہی بازوؤں میں بے ہوش پڑی تبسم کو پتا نہ چلا کہ اس کے جسم سے زیادہ اس کے دل اور روح سے پیار کرنے والا، اس پہ گئی تہمت کو ہمیشہ کے لیے دل کا داغ بنا کر سلگتا چھوڑ دینے کے بجائے، اپنی محبت کے سینے کا تمغہ بنانے آن پہنچا تھا۔

وہاں اور وہ بھی فردوس کے ساتھ.....
میں اسے کیا کہتی۔ میری محبت کی شفاف ندی میں وہم کا کوڑا نالہ گھٹس ہاتھ بھر کے قافلے پہ آگیا تھا۔ میں اس کے زہر سے بچنا چاہتی تھی۔

محبت جب ماری ہے ہاں تو وہم اور خدشوں کی مار مارتی ہے اور چار چوٹ کی جسمانی مار اس کے آگے شرماتی ہے۔ وہ بھی ایسی ہی مار کا شکار ہو گئی تھی، اور اب نیل و نیل ہوئی پڑی تھی۔ وہم کے ناگ نے اس کی محبت کے شفاف پانی کو ڈسا تھا۔ اس کا جسم اور دل تو کیا روح تک گور ہر چڑھ گیا تھا۔

اس نے بدقت تمام ادھ مے جسم کو حرکت دی۔ اٹھ کر الماری میں سے احمر کی دی ہوئی میک اپ کٹ نکالی اور سرخی میں انگلیوں کی پوریں گھسا کر بے ترتیب منہ پر لٹکے لگی۔

☆☆☆

کسی نے اسے شانوں سے پکڑ کر زمین سے اٹھانے کی کوشش کی پھر اس کے چہرے پہ نگاہ پڑتے ہی ہلک کر رہ گیا۔

دوسری طرف وہ اسے جن نظروں سے دیکھ رہی تھی، ایک تاثر میں ان نظروں کی وسعت سٹھا مشکل تھی۔ وہاں خوف تھا، مراسیمہ سی تھی، شرمندگی تھی، امید کی۔ وہاں کامل کی بے سمت لکیریں تھیں۔ غارے کی لٹری ہوئی تھیں تھیں۔ جابجا سرخ سبز اور زرد دھبے تھے۔ اس کا معصوم چہرہ کتنے رنگوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ مگر ان میں کوئی توازن نہ تھا۔ توازن تو تصویر کے دلوں میں ہوتا ہے جنہیں مصور استعمال کرتا ہے۔ اس کا توازن صاف کرنے والے رویوں میں دار کپڑے سے بھی لگتا گزرا تھا۔ کہاں رنگ تھا؟ کہاں نیل اندازہ لگاتا تھا۔ کہاں خون تھا تھا کہاں سرخی؟ کوئی پتا نہیں سکتا تھا۔

کل سے آج تک کے یہ چوبیس گھنٹے تھوڑے تھے۔ اسے موت کے سے بچتا دے آن گھرا۔ اس یہاں تک آنے میں اتنی دیر کیوں کی۔ یہ چہرہ کی

ہیں آپ یہاں..... یا اگر کام نہیں کرتیں تو یہاں آئی کیوں نہیں۔ کس کام کے لیے، کیا کروانے.....؟
وہ کوئی لڑکی نہیں تھی، وہ تو کوئی خون آشام چڑیل تھی اس کے حواس کو اپنے جنت منتر سے قابو کر کے، اب اس کی عصمت کا بے داغ چہرہ بچوں سے نوج لینے کو بلہا رہی تھی۔

”میں تو آج پہلی بار.....“
لفظ لٹکڑا گئے اور ساتھ وہ خود بھی۔
”پہلی بار..... پہلی بار آئی ہیں آپ، چلیں مان لیتے ہیں لیکن کیسی.....“

کانوں میں گونجتی سائیں، سائیں میں چت کر دینے والے حملہ آور پہلوان جیسے سوالات کی بو چھاڑ میں اس نے خود کو سر سے پیرنیک کپکپاتے محسوس کیا۔
”میں کیسی نہیں میری بھابی کسی کام سے.....“
اس کی بات سرکاری ٹل سے ٹوٹ، ٹوٹ کر آتی پانی کی دھار جیسی تھی۔

”آپ اپنی بھابی کے ساتھ تھیں مگر وہ تو کہیں نظر نہیں آ رہیں۔ کہاں ہیں بھابی.....؟ بھابی ان کی بھابی ہے کوئی یہاں..... سیکر وہاں لے جاؤ.....“

اس نے منہ پر چادر ڈال کر کس لا چاری سے خود کو چھپایا تھا۔ کاش اس کے رب کے علاوہ بھی کوئی اس کی مشکل جاننے والا ہوتا۔

”چلیں چھوڑیں بھابی کو وہ تو لگتا ہے فرار ہو گئیں۔ یہ بتائیں آپ کیوں آئی تھیں یہاں۔ کچھ سنا تھا آپ نے اس جگہ کے بارے میں پہلے سے..... مطلب یہ کوئی اتنا مشہور سیلون تو نہیں کہ آپ.....“

پھر وہ کیا بولی اور کیوں بولی اسے ایک لفظ بھی سنائی نہیں دیا.....

”بھابی تو لگتا ہے فرار ہو گئیں“ اور..... کیا کرنے آئی تھیں..... کے الفاظ زمین کی ساتویں سے نکلے اور ساتویں آسمان تک میں جا کر پھوٹے ہو گئے۔

”کیوں گئی تھی میں وہاں، میں کیا تاؤں میرے پاس تو کسی کو بتانے کے لیے کچھ نہیں کچھ بھی نہیں..... اپنا ہوا احمر نہیں آیا..... اگر وہ پوچھ لیتا تو..... کیوں گئی میں

اٹھنے والے درو نے بڑے، بڑے دروؤں کو بھلا دیا تھا۔ اس کے اندر سکنے تک کی طاقت نہیں بچی تھی۔ بس دل اپنی جگہ تھا جو دھڑکتا تھا اور دہائی دیتا تھا۔ دہائی دے، دے کر دھڑکتا تھا اور دے کا نام نہیں لیتا تھا۔
رات گزری، دن چڑھ آیا پر اس کی قسمت کی اماؤں سے ہر شے سی پائی پھیر دی۔

”وہ نہیں آئے گا اب۔ مہرن خالد نے قسم دی ہے۔ جس روز اس مرن جو کی کی منوں شکل دیکھے گا اس کے بعد میرا مرنا دیکھے گا بس.....“

تبسم گھڑی سی بنی رہی۔ دن ڈھلے تک عورتیں فردوس کے پاس یوں آتی رہیں جیسے مرگ کی تعزیت کا ثواب حاصل کرنے کا آج آخری دن ہے۔

اس پہ فردوس کے اگلے جسم کے اندر مڑتے دل کی حقیقت کھلی تو سرداری سی بوائے لگی۔ زور کی ابکائی کو پوری طاقت سے روکا نیم جان جسم میں جان کتنی تھی۔ بس ایک جھٹکا اور وہ مسہری سے نیچے جا پڑی۔

☆☆☆

وقت کے کھیسے میں سے گھڑی، گھڑی کے سکے ایک کے بعد ایک گرتے گئے۔ کمرے کے باہر زندگی معمول کی طرح جاری و ساری رہی۔

اسے آہوں، ہنسناتوں سے اپنے زندہ ہونے کا احساس رہا۔ یہ احساس زخموں پہ نمک چھڑکنے جیسا ہی تھا۔ ہر بار نئے سرے سے جلن اور تکلیف کی سوا اسے ہر اوجھار دیتی۔

چہرے کی نیلا ہٹوں پہ جب، جب نمکین پانی بہتا، اسے اپنی گندی رنگت والی شکل سے نفرت محسوس ہوتی جسے احمر بھی بڑے شوق سے نمکین کہا کرتا تھا۔

اس نے بھی کسی کی زندگی کو یوں چند منٹوں میں نابود ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اعتبار کے انٹینشن سے نا اطمینانی پر دینے والی کسی ریل گاڑی کے وجود پر یقین نہیں رکھتی تھی مگر اسے یقین کرنا پڑا جب اس نے مائیک ہاتھ میں پکڑے ایک لڑکی کو تیز تیز بولتے اپنی طرف آتے دیکھا۔

”جی آپ بتائیں کی کتنے عرصے سے کام کر رہی